

اللہ کی مدد کب آئے گی!

افشاں نوید

پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے، جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے؟ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ (اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ) ہاں، اللہ کی مدد قریب ہے۔ (البقرہ ۲: ۲۱۴)

یہی مضمون قرآن میں ان الفاظ میں دوسری جگہ بیان ہوا ہے: ”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ”ہم ایمان لائے“ اور ان کو آزما یا نہ جائے گا؟ حالاں کہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون“ (العنکبوت ۲۹: ۱-۲)۔ صحابہ کرامؓ کی وہ آزمائش جس کا نقشہ قرآن نے سورہ احزاب میں کھینچا ہے، اسے بھی پیش نظر رکھیے: ”جب دشمن اُپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آگئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے، اُس وقت ایمان لانے والے خوب آزمائے گئے اور بُری طرح ہلا مارے گئے“۔ یاد کرو وہ وقت جب منافقین اور وہ سب لوگ جن کے دلوں میں روگ تھا صاف صاف کہہ رہے تھے کہ اللہ اور اُس کے رسولؐ نے جو وعدے ہم سے کیے تھے وہ فریب کے سوا کچھ نہ تھے“۔ (الاحزاب ۳۳: ۱۰-۱۲)

یہ اللہ کی سنت ہے جس کی کسوٹی پر ہر وہ جماعت پرکھی جاتی ہے جو حق کی حامل بن کر کھڑی

نہیں چھوڑنا ہے، اور تبدیلی جب بھی آئے گی، یہی واحد راستہ ہمارے پاس ہے۔ دعوت اور تبلیغ کی ٹھنڈی سڑک سے کب ہم تبدیلی امامت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں؟ ”اور دونوں نمایاں راستے اسے دکھادیے، مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی“۔ (البلد ۹۰: ۱۰-۱۱)

ہم تو تبدیلی کا داعیہ لے کر اٹھے ہیں، اپنے نصب العین سے جذباتی وابستگی اور والہانہ لگاؤ کے بغیر ہماری اذنانوں میں روحِ بلائی بھلا کیسے آسکتی ہے؟ کیا کوئی شکست ہمارے جذبات کو ٹھنڈا کر دے گی یا غلطیوں کے ازالے پر اصرار نہیں سامانِ عبرت بنا دے گا؟؟

انتخابات ایک مرحلہ ہوتے ہیں۔ ہم کسی سیاسی جماعت کے انتخابی کارکن نہیں ہیں۔ ہماری داعیانہ حیثیت ہے۔ نصرتِ الہی کے قانون اور فطرتِ انسانی کے متعلق حقائق کو ہمیں سمجھنا چاہیے۔ جان رکھیے، دلوں کو بدلنے کی ذمہ داری اللہ نے ہرگز ہماری نہیں رکھی۔ ہماری صرف صاف صاف پہنچانے کی ذمہ داری ہے۔ ہم کو تو ال نہیں ہیں، قرآن نے ۳۱ مقامات پر یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ بس تم یاد دہانی کراتے جاؤ: ”پس تم نصیحت کیے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو، کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو“۔ (الغاشیہ ۸۸: ۲۱-۲۲)

کیا ہم نے گلی گلی محلہ محلہ جا کر اپنی حجت تمام نہیں کی ہے؟ یومِ سبت کے موقع پر جب نبی عن المنکر کرنے والوں کو ان کی قوم کے شرفانے سمجھایا کہ: ”تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے، تو انھوں نے جواب دیا ہم یہ سب کچھ تمہارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لیے کرتے ہیں“ (اعراف ۷: ۱۶۴)۔ مسلم کی حدیث ہے: ”بے شک بنی آدم کے دل اللہ رحمٰن کی انگلیوں کے درمیان ہیں، وہ انھیں جیسے چاہتا ہے پھیرتا رہتا ہے۔ اس لیے ہم مشیتِ الہی میں دخل نہیں دے سکتے۔ مولانا مودودی سورۃ اعراف کی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”اس کی مشیت ایسی ذی اختیار مخلوق کو وجود میں لانے کی متقاضی تھی جو اپنی پسند اور اپنے انتخاب سے صحیح اور غلط ہر طرح کے راستوں پر جانے کی آزادی رکھتی ہو“۔ (تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۵۲۸)

جان رکھیے کہ اگر ایک گروہ کے صاحبِ کردار بن جانے سے غلبہ دین ممکن ہوتا تو مکہ میں آپ اور آپ کے ساتھیوں سے بڑھ کر کون صاحبِ کردار ہوگا؟ لیکن آپ کو مکہ سے ہجرت کرنا

پڑی، حالانکہ آپ حق پر تھے اور تائید الہی بھی آپ کے ساتھ تھی۔ دراصل اللہ کو غلبہ دین کے ساتھ یہ دیکھنا ہے کہ حق کا ساتھ دینے والے مخلص کتنے ہیں اور وہ کتنے جرأت مند ہیں۔ ”اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا“۔ (محمد ۷: ۷۷)

یہ ہماری فطری خواہش ہے کہ جس انقلاب کے پودے کو ہم پانی دے رہے ہیں اس کے پھل ہمیں نصیب ہوں، لیکن جان رکھیے کہ انسانی فطرت بہت مختلف ہوتی ہے۔ حق کو قبول کرنے کے مقابلے میں، کبھی تعصبات رکاوٹ بنتے ہیں تو کبھی مفادات۔ ہماری مخلصانہ خواہش ہوتی ہے کہ حق کو لوگ فوراً پہچان لیں، اس لیے کہ اس میں ان کی ہی بھلائی ہے مگر تاریخ بتاتی ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کو قبول حق میں ذرا بھی دیر نہ لگی، جب کہ حضرت عمر فاروقؓ جیسی جلیل القدر ہستی کو اس کش مکش میں چھ سال گزار گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کے حجابات مثنیٰ میں ۲۰ برس لگ گئے، جب کہ حضرت ابوسفیانؓ نے فیصلہ کرنے میں ۲۱ برس لیے اور آپ کے چچا ابوطالب زندگی کی آخری ساعتوں تک گوگولی کیفیت میں رہے۔ اس لیے ہمارے داعیانہ کردار کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنی سعی احسن طریق سے جاری رکھیں کہ مستقبل کی نقشہ گری اس کے ہاتھ میں ہے جس کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے دین کو غالب کر کے رہے گا۔

اقتدار اور بالادستی کی نئی جنگ نے جو گل کھلائے ہیں اور مظلوم انسانیت نے اس کی جو قیمت ادا کی ہے وہ ہوش ربا ہے۔ دنیا کے ہر حصے میں توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے۔۔۔۔۔ سیاسی قوتوں کے نشیب و فراز، قیادتوں کی تبدیلی، انقلابات کی آمدورفت، اگر ایک طرف تبدیلی کی علامتیں ہیں تو دوسری طرف ان میں مستقبل کی تعمیر کے فکر مندوں کے لیے بڑی روشن نشانیاں اور بیش بہا قابل توجہ امکانات اور مواقع ہیں۔ قرآن کے مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس ظاہری تماشے کے پیچھے ایک عظیم مقصد عمل بھی جاری و ساری ہے، جس سے اگر فائدہ اٹھایا جائے تو تاریخ کا رخ ہم بدل سکتے ہیں۔ ”اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ نہ ہٹاتا رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا، لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے“ (البقرہ ۲: ۲۵۱)۔ ”یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں، جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ (تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا) کہ اللہ دیکھنا چاہتا ہے تاکہ تم میں سے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا ہے

جو واقعی راستی کے گواہ ہوں، کیونکہ اللہ ظالم لوگوں کو پسند نہیں کرتا؛۔ (العمزۃ: ۳: ۱۴۰)

مختلف حالات و واقعات کا ہم سب اپنے اپنے شعور و فکر کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہیں اور بلاشبہ غور و فکر کرنا چاہیے۔ اس سلسلے میں صدر الدین اصلاحی صاحب کی یہ بات قابل غور ہے کہ ”بلاشبہ غور و فکر کی قوت انسان کا امتیازی جوہر ہے، اس لیے اس امر میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ اس قوت کا استعمال ہر شخص کا پیدائشی حق ہے.... یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جو دینِ فطرت ہے، اپنی سوجھ بوجھ سے کام لینے کو انسان کے بنیادی حقوق ہی میں نہیں بلکہ اس کے بنیادی فرائض میں بھی شمار کیا ہے۔ وہ اس شخص کو جو عقل و فہم سے کام نہ لے۔ **كُلَّ الْأَنْعَامِ** (جانوروں کے مشابہ) کہتا ہے.... کسی بھی جماعت کے لیے یہ قطعی ضروری ہے کہ اس کے افراد کے اندر رائے میں کسر و واتکسار کی پوری صلاحیت موجود ہو۔ کوئی شخص اگر ضروری غور و فکر کے بعد ایک رائے پر پہنچ جائے تو اسے اس بات کا تو پورا حق حاصل ہے کہ وہ اسے مناسب موقع پر دلائل کے ساتھ پورے زور سے پیش کرے، مگر اسے یہ حق ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تمام لوگوں سے اسی کو بہر حال صحیح اور برحق تسلیم کر لینے پر اصرار کرے۔ اس کے بخلاف اسے اس امکان کو لازماً سامنے رکھنا چاہیے کہ اس کی رائے غلط بھی ہو سکتی ہے اور دوسروں کی صحیح..... اس تحریک اور جماعت کا مستقبل کبھی روشن نہیں ہو سکتا جس کے افراد اجتماعی فیصلوں کے مقابلے میں اپنے ذوق و رجحان ہی کو نہیں بلکہ اپنی سوچی سمجھی رائے کو بھی قربان کر دینے کے لیے تیار نہ ہوں۔ آخر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس بشر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی رائے اور صواب دید کو فیصلہ کن سمجھے، مگر ہمیں معلوم ہے کہ آپ نے بھی کئی بار دوسروں کی رائے کے مقابلے میں اپنی رائے ترک کر دی تھی۔ (اسلامی تحریکوں کی ناکامی کے اصل اسباب، صدر الدین اصلاحی، ص ۳۹-۴۳)

اس کیفیت میں ضرورت اپنے اخلاص اور للہیت کی آبیاری کی بھی ہے۔ ”اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ تحریک کے مقصد پر دل یکسر مطمئن، اور اس کی خاطر جدوجہد کے لیے ذہن بالکل یکسو ہو..... اپنی تمام دوڑ دھوپ اسی کے لیے خالص کر دی جائے۔ فکر پر وہی چھایا ہو اور عمل و حرکت کی باگیں تمام تر اسی کے ہاتھوں میں ہوں.... للہیت کا مطلب یہ ہے کہ مقصد تحریک کے ساتھ یہ تعلق اور اس تعلق میں یہ اخلاص، صرف اللہ کے لیے اور صرف اسی کی رضا کے لیے ہو۔ اس

کی رضا کے سوا کسی اور کی رضا کا دل میں گزرنہ ہو۔ یہی للہیت وہ خاص جو ہر ہے کہ کسی تحریک کو 'اسلامی' بناتا ہے اور اسے دوسری تحریکات سے ممتاز کرتا ہے، ورنہ جہاں تک مطلق اخلاص کا تعلق ہے، وہ تو غیر اسلامی تحریکوں کے لیے بھی اسی طرح ضروری ہے۔ (ایضاً، ص ۲۰-۲۱)

آئیے! استقامت اور قبولیت عمل کی دعاؤں کے ساتھ ڈاکٹر نذیر احمد شہید کے وہ الفاظ پھر دہرا لیتے ہیں جو ہمارے حوصلوں کو ہمیز دیتے ہیں:

صاحبِ عزیمت اٹھتا ہے اور کہتا ہے، اگر وقت ساتھ نہیں دیتا تو میں اسے ساتھ لوں گا، سر و سامان نہیں تو اپنے ہاتھ سے تیار کروں گا، اگر زمین موافق نہیں تو آسمان کو اترنا چاہیے، اگر ساتھ دینے والے آدمی نہیں ملتے تو فرشتوں کو بلاتا ہوں، اگر انسانوں کی زبانیں گنگ ہیں تو پتھروں کو بولنا چاہیے۔ اگر ساتھ چلنے والے نہیں تو کیا ہوا، درختوں کو ساتھ دوڑنا چاہیے۔ اگر دشمن بے شمار ہیں تو آسمان کی بجلیوں کا بھی کوئی شمار نہیں، اگر رکاوٹیں اور مشکلات بہت ہیں تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ انھیں اور راستہ صاف کریں کہ ایک صاحبِ عزیمت جاہد پیما ہے۔ وہ زمانے پر اس لیے نظر نہیں ڈالتا کہ یہاں کیا کیا ہے جس سے دامن بھریں۔ وہ یہ دیکھنے کے لیے آتا ہے کہ کیا کیا نہیں ہے کہ پورا کر دوں۔ (تاریخ دعوت و عزیمت)

انتخابی مہم کے دوران ہمارے لیے دروازے بھی کھلے ہیں اور دل بھی۔ الحمد للہ ہماری دعوت میں اضافہ ہوا ہے۔ موجودہ امکانات کی روشنی میں اپنے حوصلوں کو مجتمع کرتے ہوئے اس دعوت کو نتیجہ خیز بنانے کی بھرپور منصوبہ بندی کیجیے۔ آپ کا ہر قدم فوزِ عظیم کی جانب بڑھ رہا ہے۔ ان شاء اللہ رب کی نصرتیں آپ کی منتظر ہیں۔ اللہ آپ کو استقامت اور اس راہ میں اٹھنے والے ہر قدم کا اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین!